AN OVERVIEW OF ATTRIBUTES OF UMMAH, CHALLENGES AND RESPONSIBILITIES IN THE LIGHT ISLAMIC TEACHINGS

امت کی خصوصیات، مسائل اور ذمہ داریوں کا جائزہ (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

Hafsa Ghazi Farooqi, PHD Scholar, Usooluddin, International Islamic University, Islamabad, Email, hafsa@mahmoodghazi.org ORCID ID https://orcid.org/0000-0002-9068-5191

ABSTRACT:

The holy Quran was descended by Allah for the guidance of human beings, and its major aim is to make human life righteous in this world and successful in the hereafter. The Quran was revealed to achieve this objective, and to achieve this objective it has emphasized on many other objectives as well, one of them is to raise an Ummah. The formation of an Ummah is one of the basic and important aims of the holy Quran. The holy Quran has discussed the topic of "Ummah" in many of its verses and ordered Muslims to remain associated with Ummah. The word "Ummah" is used for a group of people which has some common grounds. So, Ummah is referred to a group of people having a common aim, one basic goal of life, a different code of life and way of living. Muslim Ummah is the name of a group of Muslims who have one center, one beginning, one foundation, and same goals and aims in life. Muslim Ummah must be characterized by some attributes which distinguish it from other nations. Some of these characteristics are mentioned in the holy Quran directly and some are indirectly referred. Among these characteristics the most important ones are: Spiritualism, Knowledge, Moderation, Unity and others. As a consequence of these attributes some duties arise, such as: Believe in Allah, Submission to His commands, Establishing brotherhood and justice, and completing the mission of Rasulullah ﷺ by being his successors… etc. This article intends to discuss the word "Ummah", its meanings, definition and attributes of Muslim Ummah in the light of qur'anic verses, and Muslim Ummah's important duties pertaining to these attributes.

KEYWORDS*: *Ummah, characteristics, brotherhood, Muslim, unity, responsibilities.

اسلام کا بنیادی اور اصل موضوع انسان کی دنیوی زندگی کی صلاح اور اخروی زندگی کی فلاح ہے۔ اس بنیادی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کا نزول ہوا اور اسی کا راستہ اختیار کرنے میں بنی نوع انسان کی کامیابی ہے۔ تاھم اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید نے بہت سے اور مقاصد پر بھی زور دیا ہے۔ نزول قرآن حکیم کے کچھ اہداف اور اسباب تو وہ ہیں جن کا قرآن کی آیات میں براہ راست ذکر آیا، ان میں سب سے اہم سبب انسانوں کی ہدایت کا سامان مہیا کرنا ہے۔ یہ موضوع بہت سی آیات میں بیان کیا گیا، مثال کے طور پر ارشاد باری تعالی ھے: ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلۡقُرۡءَانُ هُدٗى لِّلنَّاسِ﴾[1]۔ (مہینہ رمضان کا، جس میں نازل ہوا قرآن، ہدایت واسطے لوگوں کے)[2]۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿إِنَّ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ يَهۡدِي لِلَّتِي هِيَ أَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعۡمَلُونَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمۡ أَجۡرٗا كَبِيرٗا﴾[3]۔ (یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ، جو سب سے سیدھی ہے، اور خوشی سناتا ہے ان کو جو یقین لائے، اور کیں نیکیاں کہ ان کو ہے ثواب بڑا)۔[4] انسانوں کے لیے ہدایت کا سامان مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید خوش خبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بھی ہے۔ چناچہ جو لوگ قرآن کی ہدایت کا

اتباع اور اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں ان کو قرآن مجید جنت کی خوشخبری دیتا ہے اور جو لوگ اس کی ہدایت سے منہ موڑتے ہیں ان کو جہنم کی آگ سے خبردار کرتا ہے۔ سورہ کہف کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ ٱلْكِتَٰبَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُۥ عِوَجَا ۜ ۝١ قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا﴾.[5] (سراہیے اللہ کو، جس نے اتارا اپنے بندے پر کتاب، اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی، ٹھیک اتاری، تا کہ ڈر سناوے ایک سخت آفت کا اس کی طرف سے، اور خوشخبری دے یقین لانے والوں کو، جو کرتے ہیں نیکیاں، کہ ان کو اچھا نیگ ہے)۔[6] اس کے علاوہ قرآن مجید کا ایک اہم ہدف فرد کی ایک متوازن متکامل اسلامی شخصیت کی تشکیل بھی ہے۔ فرد، جو کہ ایک خاندان، ایک معاشرے اور ایک امت کو بنانے اور سنوارنے کا اصل اور محور ہے۔ اسی فرد کی زندگی کے ہر گوشے کے لیے قرآن مجید احکام اور ہدایات فراہم کرتا ہے، چاہے وہ عقیدے سے متعلق معاملات ہوں، عبادات، اخلاقیات، یا آپس کے لین دین سے متعلق ہوں، یا کسی بھی اور شعبہ زندگی سے متعلق ہوں، دنیوی زندگی ہو یا اخروی زندگی، سب سے متعلق ھدایات قرآن مجید میں موجود ھیں۔[7] ان اہداف و مقاصد کے ساتھ ایک اور مقصد جو اسلام کے اور نزول قرآن کے پیش نظر ہے اور دیگر ادیان و کتب سماویہ کے پیش نظر بھی رہا وہ عدل و انصاف کا قیام ہے۔ سورہ حدید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْمِيزَانَ لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلْقِسْطِ﴾.[8] (ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر، اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو، کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر)۔[9] یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بارہا ہدایت کی ہے۔ ان سب مقاصد و اہداف کے ساتھ ساتھ اسلام اور قرآن مجید کا ایک بہت بڑا اور اجتماعی ہدف تشکیل امت ہے، اس ہدف پر قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے، اور یہ قرآن حکیم کے مطابق اسلام کا سب سے بڑا اور اجتماعی ہدف ہے۔ "امت کا قیام مقصود لعینہ ہے، یعنی خود اپنی ذات میں مقصود ہے۔ اس کو کسی اور مقصد کی ضرورت نہیں"۔[10] لہذا قرآن مجید میں جابجا امت کا ذکر ہے، اور مسلمانوں کو امت اور جماعت سے وابستہ رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

❖ **امت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم: لغوی معنی:** امت یا "أمۃ" عربی لغت میں "ام" سے مشتق ہے۔ اُم کے معنی ہیں کسی چیز کی بنیاد یا اصل، اور اَم کسی چیز کا قصد یا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں، نیز امت جماعت کو کہتے ہیں، چنانچہ ہر نوع حیوانی کو بھی امت کہا جاتا ہے۔ امت دین اور طریقے کو بھی کہتے ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے "فلان لا أمۃ لہ" یعنی اس کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے۔ ایک عرب شاعر[11] کہتا ہے: "وھل یأثمن ذو أمۃ وھو طائع": کیا کوئی صاحب دین اطاعت کے باوجود گناہگار ہو گا۔ امت کا عربی زبان میں ایک مطلب مدت بھی ہے۔[12] چنانچہ امت کے لغوی معانی میں شریعت، دین، سنت، طریقہ اور مدت سب شامل ہیں۔[13]

- **قرآن مجید میں لفظ امت کے معانی:** قرآن مجید میں جابجا لفظ امت آیا ہے، اور یہ لفظ آیات قرآنی میں ان سارے معانی میں استعمال ہوا ہے:

1) **جماعت:** قرآن حکیم میں لفظ امت جماعت کے معنی میں متعدد بار استعمال ہوا ہے، جس کا اطلاق امت محمدیہ بھی کیا گیا ہے اور ان سے پہلے آنے والوں پر بھی۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ﴾.[14] (وہ ایک جماعت تھی، گزر گئی، انکا ہے جو کما گئے وہ، اور تمھارا ہے جو تم کماو)۔[15] ایک اور جگہ آتا ہے: ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾.[16] (اور چاہیئے کہ رہیں تم میں، ایک جماعت، بلاتے نیک کام پر، اور حکم کرتے پسندیدہ بات کا، اور منع کرتے ناپسند کو)۔[17] ایک اور آیت میں یہی لفظ اہل کتاب کی ایک خاص جماعت کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔ فرمان باری تعالی ہے: ﴿لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴾.[18] (وہ سب برابر نہیں، اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے، سیدھی راہ پر، پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی، راتوں کے وقت، اور وہ سجدے کرتے ہیں)۔[19]

2) **دین اور طریقہ:** بہت سی آیات میں امت کا لفظ دین اور طریقے کے معنی میں آیا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾.[20] (اور اسی طرح، جو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں، سو کہنے لگے وہاں کے آسودہ لوگ ہم نے پائے اپنے باپ دادا ایک راہ پر، اور ہم انہی کے قدموں پر چلتے ہیں)۔[21] اس آیت کریمہ میں امت کا لفظ دین اور طریقے کے لیے آیا ہے جیسا کہ متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے۔[22]

3) **مدت یا وقت:** ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ﴾.[23] (اور بولا وہ جو بچا ان دونوں میں، اور یاد کیا مدت کے بعد، میں بتاوں تم کو اس کی تعبیر، سو تم مجھ کو بھیجو)۔[24] اس آیت مبارکہ میں امت کا لفظ مدت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ علامہ ابن عاشور کہتے ہیں: "امت کا اطلاق یہاں طویل مدت پر کیا گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طویل مدت سے مراد اتنا وقت ہے کہ جس میں ایک نسل ختم ہو جاتی ہے، اور نسل کو امت کہا جاتا ہے"۔[25] علامہ راغب اصفہانی بیان کرتے ہیں کہ امت سے مراد اس آیت میں مدت ہے، اور اس کا مطلب ہے اتنا وقت جس میں ایک زمانے یا ایک دین کے لوگ ختم ہو جائیں۔[26] اسی طرح سورہ ہود میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ﴾.[27] (اور اگر ہم دیر لگاویں ان سے عذاب کو، ایک مدت تک، تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اس کو)۔[28]

4) **امام یا قائد:** قرآن حکیم میں لفظ امت کا ایک اور معنی علامہ ابن کثیر نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں امت کا لفظ چار معانی میں استعمال ہوا ہے، جن میں تین تو مذکورہ بالا معانی ہیں اور چوتھا معنی ہے امام یا ایسا قائد جس کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ﴾.[29] (اصل ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا، حکمبردار اللہ کا، ایک طرف ہو کر۔ اور نہ تھا شرک والوں میں)۔[30] اس آیت کی تفسیر میں علامہ صاحب کہتے ہیں کہ امت یعنی وہ امام جس کی پیروی کی جائے۔[31] تاہم کچھ دوسرے مفسرین کے نزدیک یہاں ابراہیم علیہ السلام کو امت کا لقب دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اللہ کی اطاعت اور اس کے دین کی پیروی کے معاملے میں ایک پوری جماعت کے مساوی تھے۔ چناچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دو وجوہات کی بنا پر یہ لقب دیا گیا:

1- وہ کمال اور فضیلت میں ایک پوری امت کے برابر تھے۔

2- وہ دین کے معاملے میں اکیلے امت کے فرد تھے کیونکہ ان کی بعثت کے وقت ان کے علاوہ کوئی موحد نہیں تھا۔[32]

اس رائے کے مطابق اس آیت میں بھی امت کا لفظ جماعت کے معنی میں آیا ہے، وہ اپنی ذات میں پوری جماعت کے برابر تھے۔ لہذا لفظ امت کے قرآن مجید میں تین ہی معانی ہوئے، اور بیشتر آیات قرآنی میں یہ لفظ جماعت کے لیے ہی آیا ہے۔

- **امت کا اصطلاحی مفہوم:** امت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں: كل جماعة يجمعهم أمر ما، إما دين واحد أو زمان واحد، أو مكان واحد، سواء كان ذلك الأمر الجامع تسخيرا أو اختيارا.[33] یعنی کہ امت سے مراد ہر وہ جماعت ہے جس میں کوئی قدر مشترک ہو، ایک دین، یا ایک زمانہ، یا ایک جگہ، چاہے وہ مشترک قدر اختیاری ہو یا تسخیری۔ چنانچہ امت ایک ایسی جماعت کو کہا جاتا ہے جس کا ایک مشترک ہدف اور بنیادی مقصد ہو، اپنا قومی تشخص ہو اور یکساں رویہ اور طرز عمل ہو۔ "مسلمانوں کی اس جماعت کو امت مسلمہ کہا گیا ہے اس لیے کہ امت مسلمہ مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو نظری اعتبار سے ایک مرکز پر کاربند ہے، اور عملا بھی اس کو ایک ہی مرکز پر کاربند ہونا چاہئیے، جس کی اصل اور آغاز ایک ہے۔ جس کے مستقبل کے اہداف اور مقاصد ایک ہیں اور جس کے درمیان اس طرح کی وحدت اور یکجہتی ہونی چاہئیے جس طرح کی وحدت اور یکجہتی ایک ماں کی اولاد میں ہوتی ہے۔ یہ امت کسی جغرافیائی حد کی پابند نہیں ہے، یہ کسی لسانی اور نسلی گروہ تک محدود نہیں ہے۔ اس کا تعلق کسی جغرافیائی علاقے سے نہیں ہے بلکہ یہ بنی آدم کے ہر گروہ اور ہر طبقے تک پھیلی ہوئی ہے"۔[34]

- **امت محمدیہ کا آغاز و درپیش مسائل:** یہ امت چودہ سو برس قبل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے قائم ہوئی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس کے پہلے ارکان اور نمائندے تھے، اور یہ تا قیامت قائم رہے گی، دنیا کا ہر مسلمان اس کا فرد ہو گا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے روز سے امت محمدیہ کی اساس ہیں؛ یہ دونوں اسس آج تک موجود و متفق علیہ ہیں، اور قیامت تک اسی طرح رہیں گے۔ افراد امت کے درمیان موجود اختلافات کے باوجود یہ امت ہمیشہ کتاب الٰہی اور سنت رسول مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی علمبردار رہی ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن پر روز اول سے لے کر آج تک امت مسلمہ متفق رہی؛ اس بات کے باوجود کہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے اور مذاہب فکر وجود میں آئے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ موجودہ صورتحال میں جبکہ بہت سے لوگ اس بات کی دعوت لے کر اٹھ رہے ہیں کہ امت کا تصور کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ یہ ایک بے کار اور بے معنی تصور ہے، اور اصل چیز ملک اور وطن کی پہچان ہے، اس فکر کے داعیوں اور اس طبقے کے لوگوں کے اثر ونفوذ کے باوجود عوام الناس کی سطح پر اس فکر کو کبھی زیادہ پذیرائی نہیں ملی، بلکہ امت کے افراد کے درمیان ایک ذہنی ہم آہنگی ہمیشہ موجود رہی۔ افراد امت ہمیشہ سے ایک تھے، ایک ہیں اور ایک رہیں گے ان شاء اللہ۔ یہاں علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس فکر، اور اس وحدت و اتحاد کو پروان چڑھانے کی کوششیں جاری رکھیں، نیز یہ بھی انتہائی اہم ہے کہ امت کو یہ سکھلایا اور بتلایا جائے کہ اختلاف رائے کے ساتھ کس طرح متحد ہو کر رہنا ہے، وطنیت یا قومیت کے تصور کو درمیان میں نہیں آنے دینا۔ یہ امور محض تعارف وشناخت کے ذرائع ہیں، ان کو تفرقہ اور آپس کے بغض و نفرت کی بنیاد نہیں بننے دینا چاہئیے۔[35] امت مسلمہ نے انسانی معاشروں اور بہت سی تہذیبوں کو متاثر کیا ہے، اور اس کے مثبت اثرات بہت سے معاشروں پر مترتب ہوئے۔ چنانچہ بہت سے معاشروں کے اسلام لانے کی وجہ اس امت کے افراد، ان کے بلند اخلاق، دوسروں کے ساتھ ان کا حسن تعامل تھا۔ بہت سے لوگ ان امور سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔ آج بھی افراد امت کو اس طرح کے متاثر کن اخلاق اور حسن تعامل اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔ نیز امت مسلمہ کی بہت سے میادین علم وفکر میں ترقی بھی انسانی معاشروں پر اثر انداز ہوئی۔ بلکہ امت مسلمہ نے جن علوم وفنون کی بنیاد رکھی اس سے تمام اقوام نے استفادہ کیا، لیکن افسوس کہ وہ اس میدان میں مسلمانوں کے جہود سے فائدہ اٹھا کر آگے بڑھ گئے اور مسلمانوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ افراد امت کے باہمی اتحاد و محبت اور اساسیات دین پر اتفاق کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بہت سے مسائل و مشکلات درپیش ہیں، اور ضروری ہے کہ یہ امت ان مسائل کا حل تلاش کرے اور ان چیلنجز سے نمٹنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ ان مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی صاحب فرماتے ہیں: "آج ملت اسلامیہ کو جن مشکلات کا سامنا ہے ایک اعتبار سے یہ ماضی کی ساری مشکلات کا نچوڑ ہے۔ ماضی کی ساری مشکلات یکجا ہو کر آج امت مسلمہ کے سامنے آگئی ہیں۔ امت

مسلمہ کو پچھلے چودہ سو سال سے بہت سی تحدیات (چیلنجز) کا سامنا ہے، ان میں فکری تحدیات بھی ہیں، ان میں سیاسی مشکلات و مسائل بھی ہیں، ان میں اقتصادی دقتیں اور رکاوٹیں بھی ہیں، ان میں سیاسی کمزوریاں بھی شامل ہیں، تعلیمی اور ثقافتی چیلنجز بھی درپیش تھے، لیکن آج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے چیلنجز یکجا ہو کر مجتمع ہو کر ہمارے سامنے آگئے ہیں"۔[36] امت مسلمہ کو جو فکری مسائل درپیش ہیں، ان میں سر فہرست اسلام، قرآن اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر اٹھائے جانے والے اعتراضات ہیں جو ابتدائے اسلام سے آج تک سامنے آرہے ہیں۔ ہر روز نت نئے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ امت مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کا جواب احسن طریقے سے دے اور اپنے دین، قرآن اور نبی کا ہر ممکن دفاع کرے۔ لیکن اس کام کے لیے بہترین حکمت اور موثر طریقہ کار اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ آج مسلمان بڑی تعداد میں ان اعتراضات و شبہات سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اس لیے ان کا جواب دینا اور نئی نسل کے ذہنوں کو صاف رکھنا ایک بہت اہم ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ فکری مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی درپیش ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد مغربی نظام تعلیم سے فارغ التحصیل ہے۔ اس طبقے کے لوگوں کو اسلامی علوم، قرآن و حدیث و سیرت رسول ﷺ کا وہ فہم حاصل نہیں ہے جو ایک مسلمان کو ہونا چاہئیے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں تک اسلامی فکر اور علوم کو پہنچایا جائے، اور اپنی تاریخ اور دین پر ان کا اعتماد بحال کرایا جائے۔ اسی طرح امت مسلمہ کو بہت سے ایسے مسائل کا سامنا ہے جنہوں نے مسلمانوں کی ہر چیز کو متاثر کیا ہے۔ اس طرح کے مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں وحدت علوم کا تصور جو کہ ماضی میں موجود تھا اب نہیں رہا۔ مسلمان علم کی وحدت کے قائل تھے، علوم کے درمیان درجہ بندی یا تعارض کے نہیں۔ اسی وحدت علوم کا نتیجہ تھا کہ مسلمان کی شخصیت ایک متکامل، متوازن اور ہمہ جہت شخصیت ہوتی تھی۔ آج دین و دنیا میں، سیاست و مذہب میں تعارض پیدا کر دیا گیا ہے۔ ہر قوت دوسری کے خلاف بر سر پیکار ہے۔ مادیات کے تقاضے اور ہیں، روحانیات کے اور ہیں، اور ان سب کو مختلف جہتوں میں چلانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس لیے سب سے بڑا فکری و عقلی چیلنج جو مسلمانوں کو درپیش ہے وہ اس فکر کا احیاء ہے جس کے بغیر مسلمانوں میں سیاسی و اقتصادی وحدت جنم نہیں لے سکتی۔ اقتصادی تعاون و یک جہتی کے بغیر مسلمان آگے نہیں بڑھ سکتے، اور اقتصادی تعاون کے لیے سیاسی قربت ضروری ہے اور سیاسی قربت کے لیے نظریاتی قربت ضروری ہے، نظریاتی قربت کے لیے فکری یک جہتی ضروری ہے، فکری یک جہتی کے لیے وحدت فکر اور وحدت علوم کا وہ تصور درکار ہے جو اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔[37] اس کے علاوہ بھی امت مصطفی کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے جن پر گفتگو بہت تفصیل کی متقاضی ہے جس کی گنجائش ان سطور میں نہیں ہے۔

❖ **امت محمدیہ کے بنیادی خصائص:** محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت بہت سے ایسے خصائص اور اوصاف سے متصف ہے جو اس کو دوسری امتوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان میں کچھ تو وہ ہیں جو قرآن حکیم میں نہایت وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں جن کا آگے ذکر کیا جائے گا۔ لیکن کچھ اور خصائص بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

- **روحانیت:** امت مسلمہ کے اوصاف میں ایک اہم اور بنیادی وصف روحانیت ہے، یعنی کہ یہ امت ایک آفاقی اور روحانی نظریے کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ یہ جغرافیائی، لسانی، نسلی، معاشی اور ہر قسم کی مادی حدود اور دنیوی معیارات تفاضل سے بالاتر ہے۔ ہر شخص اس کا رکن بننے کا اہل ہے اور تمام ارکان اس میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب ارکان امت بلاواسطہ اللہ تعالی سے ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ تعلق قائم رکھتے ہیں اور ان کے درمیان فضیلت کا واحد معیار تقوی ہے جس کا قطعی فیصلہ صرف اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے۔

- **عالمگیریت:** "اسی طرح ایک خصوصیت عالمگیریت ہے، اس اعتبار سے اس کا تعلق کسی علاقے، رنگ، نسل یا زبان سے نہیں ہے، بلکہ یہ روز اول سے عرب و عجم اور احمر و اسود پر مشتمل ہے۔ پہلے دن سے اس میں بلال حبشی جیسے حبشی بھی شامل تھے، صہیب رومی جیسے سرخ رو بھی شامل تھے، عرب و عجم دونوں کے افراد اس امت میں شامل رہے ہیں، اور ہر دور، ہر زمانے اور ہر علاقے میں اس امت مسلمہ کی عمومی شان اور مظہر عالمگیریت رہی ہے"۔[38]

- **علم:** علم بھی امت محمدیہ کا ایک اہم وصف ہے، پہلے دن سے مسلمانوں کی یہ جماعت علم کی بنیاد پر قائم ہے، چنانچہ پہلی تعلیم جو رسول اللہ کے ذریعے اس کو دی گئی وہ علم سے متعلق ہے، اور علم حاصل کرنے پر زور دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہونے کی حیثیت سے آپ کی امت بھی معلم انسانیت ہے۔ اخلاق اور عدل و انصاف بھی مسلمان امت کے بنیادی اوصاف میں شامل ہے، چنانچہ اس کے افراد کے لیے اخلاق اور عدل و انصاف کا معیار آپ کی ذات مبارکہ ہے۔ جو نمونہ آپ نے انسانیت کے لیے پیش کیا وہی اب اس امت کو پیش کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی خصوصیات ہیں جو اس امت کو دوسری امتوں سے ممتاز کرتی ہیں، ان میں کچھ وہ ہیں جو قرآن میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

❖ **امت کے قرآنی اوصاف:** مسلمان امت کے کچھ امتیازی اوصاف قرآن مجید میں صراحۃ مذکور ہیں جن کا اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔ وہ امتیازی خصوصیات و اوصاف درج ذیل ہیں:

1- **امت مسلمہ:** یہ نام یا وصف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں بیان کیا گیا ہے جس کی قبولیت کے طور پر یہ امت معرض وجود میں آئی۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿رَبَّنَا وَٱجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَكَ﴾۔[39] (اے رب، اور کر ہم کو حکمبر دار اپنا، اور ہماری اقلاد میں بھی ایک امت حکمبر دار اپنی)۔[40] مسلم کا لفظ سلم سے مشتق ہے جس کا مطلب صلح ہے، اور اسی سے سلام اور سلامتی کا لفظ بھی نکلا ہے۔ جنت کو بھی دار السلام کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سارے مصائب و آفات سے سلامتی کا گھر ہے۔ اسی مادے سے اسلام اور استسلام بھی ہے، جس کا مطلب فرمانبر داری اور مکمل سپر دگی ہے۔ شریعت میں اسلام فرمانبر داری کے اظہار اور جو کچھ نبی علیہ السلام لے کر آئے ہیں اس کی پیروی کا نام ہے۔ اور مسلم یا مسلمان وہ ہے جو اللہ کے حکم پر سر تسلیم خم کرے اور اللہ کے لیے عبادت کو خالص کر لے۔[41] چنانچہ اسلام کا مطلب ہی مکمل فرمانبر داری اور اپنے آپ کو سپر د کرنا ہے، اور مسلمان وہ ہے جو اللہ کے احکام پر مکمل طور پر عمل پیرا ہو۔ لہذا امت مسلمہ سے مراد وہ امت ہے جو دین پر عمل پیرا ہونے والی ہو اور اللہ تعالی کے احکام کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کرنے کے لیے تیار ہو۔ اپنے قائد اور والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر کار بند ہونا اس جماعت کے لیے بے حد ضروری ہے، جنہوں نے اللہ تعالی کے ہر حکم پر سر نگوں کیا اور کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اطاعت سے منہ نہیں موڑا۔ ﴿إِذْ قَالَ لَهُۥ رَبُّهُۥٓ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾.[42] (جب اس کو کہا اس کے رب نے حکمبر دار ہو، بولا میں حکم میں آیا جہاں کے صاحب کے)۔[43] وہ ہر طرح کی آزمائشوں پر پورا اترے، اور ہر امتحان میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہی اس امت کا نام امت مسلمہ رکھا ہے: ﴿مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَٰهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِى هَٰذَا لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِٱللَّهِ هُوَ مَوْلَىٰكُمْ ۖ فَنِعْمَ ٱلْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ ٱلنَّصِيرُ﴾.[44] (دین تمھارے باپ ابراہی کا۔ اس نے نام رکھا تمھارا مسلمان حکمبر دار۔ پہلے سے اور اس قرآن میں، تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر، اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر، سو کھڑی رکھو نماز، اور دیتے رہو زکوۃ، اور اللہ کو مضبوط پکڑو، وہ تمھارا صاحب ہے، سو خوب صاحب ہے اور خوب مدد گار)۔[45] گویا اقامت صلاۃ، ایتائے زکوۃ اور اللہ سے وابستگی اور اسی پر توکل مسلم امت ہونے کی وہ لازمی شرائط ہیں جن کے بغیر یہ امت امت مسلمہ کہلانے کی حقدار نہیں ہو سکتی۔ ان شرائط کے ساتھ اس کے افراد میں وہ خصوصیات بھی ہونی چاہئیں جو متعدد احادیث میں ایک مسلمان کی بیان کی گئی ہیں؛ مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"۔[46] مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "المسلم أخو المسلم، لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته"۔[47] مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے (کسی ظالم کے) سپرد کرے، اور جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہو اللہ تعالی اس کی ضرورت اور حاجت پوری کرے گا۔ ان احادیث اور ان جیسی بہت

سی احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم معاشرہ باہمی نصرت و تعاون کا معاشرہ ہے، جس کے سب افراد ایک دوسرے کے مدد و معاون ہیں، اور کسی کو دوسرے سے کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں پہنچتی۔ یہ سب امور بھی امت مسلمہ ہونے کے لیے ضروری ہیں۔

2- امت وسط یعنی درمیانی امت: اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾.[48] (اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل، کہ تم ہو بتانے والے لوگوں پر، اور رسول ہو تم پر بتانے والا)۔[49] وسط عربی لغت میں ایک سے زائد معانی کے لیے آتا ہے۔ چنانچہ کسی چیز کا وسط اس کے سب سے معتدل حصے کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں شیءوسط سے مراد اچھے اور برے کے درمیان کی چیز بھی ہوتا ہے، اور واسطۃ القلادۃ اس موتی کو کہتے ہیں جو ہار کے درمیان میں سب سے خوبصورت موتی ہوتا ہے۔ اسی طرح وسط دو اطراف کے عین درمیانی مرکز کے لیے بھی آتا ہے۔ اور وسط سے مراد بہترین بھی ہوتا ہے، کیونکہ ہر چیز کا درمیانی حصہ اس کا بہترین حصہ بھی ہوتا ہے جیسے باغ یا چراگاہ کا درمیانی حصہ اطراف سے زیادہ اچھا اور زرخیز ہوتا ہے، اور سواری کے جانور کی پیٹھ کا درمیانی حصہ بھی سواری کے لیے اطراف سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بہترین چیز درمیانی ہوتی ہے۔[50] امت مسلمہ کو دیگر تمام امتوں میں امت وسط کا لقب دیا گیا، لہذا یہ امت وسط ان تمام صفات کی جامع ہونی چاہئیے اور وسط کے ان تمام معانی پر پوری اترنی چاہئیے۔ چنانچہ یہ امت میانہ رو بھی ہوگی، بہترین بھی ہوگی، معتدل یعنی عدل پر قائم پیرا بھی ہوگی، اور وہ امت بھی ہوگی جس کی حیثیت دوسری امتوں میں اس موتی کی مانند ہے جو ہار کے درمیان میں لگایا جاتا ہے، سب سے قیمتی بھی ہوتا ہے اور سب سے پیارا بھی۔

درمیانی امت یا امت وسط کا لقب عطا کرنے کا اور ان تمام صفات سے متصف کرنے کا سبب قرآن مجید کے مطابق اس امت کو لوگوں پر گواہ بنانا ہے جیسا کہ رسول اللہ اس امت پر گواہ بنا کر بھیجے گئے ہیں، گویا اس امت کا انسانیت سے وہی تعلق ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امت سے تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح اللہ کے نبی اس امت پر حق کے گواہ تھے اور جس طرح انھوں نے اپنے طرز عمل سے لوگوں پر حجت قائم کی اسی طرح یہ امت اقوام عالم پر اپنے اقوال و افعال کے ذریعے اسلام کی حقانیت کی گواہی دے گی۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جو اس امت کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔ اور یہ گواہی دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی ہوگی، جیسا کہ مختلف احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ سنن الترمذی کی حدیث ہے: "عن أنس رضي الله عنه مر على رسول الله بجنازة، فأثنوا عليها خيرا، فقال رسول الله: "وجبت"، ثم قال: "أنتم شهداء الله في الأرض"۔[51] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کے بارے میں خیر کے کلمات کہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "واجب ہوگئی"، پھر فرمایا: "تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو"۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ عن أنس بن مالك رضي الله عنه، يقول: مروا بجنازة، فأثنوا عليها خيرا، فقال النبي ﷺ: "وجبت". ثم مروا

بأخرى فأثنوا عليها شرا، فقال: "وجبت" فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: ما وجبت؟ قال: "هذا أثنيتم عليه خيرا، فوجبت له الجنة، وهذا أثنيتم عليه شرا، فوجبت له النار، أنتم شهداء الله في الأرض".[52] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ ایک جنازے کے پاس سے گزرے تو انھوں نے اس کے بارے میں خیر کے کلمات کہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "واجب ہو گئی"، پھر ایک اور کے پاس سے گزرے تو اس کے بارے میں شر کے کلمات کہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا چیز واجب ہو گئی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میت کی تم لوگوں نے تعریف کی ہے اس کے لیے تو جنت واجب ہو گئی اور جس کی تم نے برائی کی ہے اس کے لیے دوزخ واجب ہو گئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔ ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ امت وسط کے افراد زمین میں اللہ کے بندوں کے بارے میں خیر اور شر کے گواہ ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ امت دنیا میں اپنے اخلاق و کردار، اقوال و افعال اور طرز عمل کے ذریعے اسلام کی حقانیت کی گواہ بھی ہے اور لوگوں پر حجت تمام کرنے والی بھی ہے، تاکہ کوئی قیامت کے دن یہ دعوی نہ کر سکے کہ اس تک نبی آخر الزمان کی دعوت نہیں پہنچ سکی۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالی نے اس امت کو چنا اور اس پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ اپنے نبی کا پیغام دوسروں تک پہنچائے۔ امام ابن عاشور کہتے ہیں: "لوگوں پر گواہی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم دوسری امتوں کو اسلام کی طرف بلائیں اور ان تک دعوت پہنچائیں، تاکہ یہ دعوت رسولوں کی دعوت کے قائم مقام ہو جائے، اور شہادت یا گواہی بھی مکمل ہو جائے۔[53] اسی طرح وہ اور دیگر مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہاں لوگوں سے مراد تمام لوگ ہیں اگلے بھی اور پچھلے بھی، اور یہ گواہی دنیوی بھی ہے اور اخروی بھی۔[54] امت وسط کی اخروی گواہی سے مراد وہ گواہی ہے جو یہ امت روز قیامت انبیاء کے حق میں اور ان کی امتوں کے خلاف دے گی کہ انبیاء نے اپنی قوموں تک دین کی دعوت مکمل طور پر پہنچائی تھی جبکہ ان کی قومیں اس بات سے روز محشر انکار کر رہی ہونگی۔ اس کی تفصیل بخاری کی ایک حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔ عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "يدعى نوح يوم القيامة فيقول لبيك وسعديك يا رب. فيقول: هل بلغت؟ فيقول: نعم. فيقال لأمته: هل بلغكم؟ فيقولون ما أتانا من نذير. فيقول من يشهد لك؟ فيقول محمد وأمته، فتشهدون أنه قد بلغ، ويكون الرسول عليكم شهيدا". فذلك قوله: "وكذلك جعلناكم امة وسطا.. شهيدا". والوسط العدل.[55]
سیدنا ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا تو وہ کہیں گے میں حاضر ہوں یارب، ان سے پوچھا جائے گا کیا تم نے پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے جی ہاں۔ تو ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی خبر دار کرنے والا نہیں آیا۔ تو اللہ ان سے پوچھیں گے کہ تمھارے لیے گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ پس تم گواہی دو گے کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا، اور رسول تمھارے اوپر گواہی دیں گے"۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس امت پر گواہ بنا کر بھیجے گئے، اور امت پر آپ کی گواہی بھی دنیوی اور اخروی ہے۔ چنانچہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اسلام کی صداقت اور حقانیت کی گواہی اپنے اقوال، اخلاق، اعمال سے قائم کی، اور انسانوں پر حجت تمام کرنے کے لیے دین کی دعوت بھی لوگوں تک پہنچائی۔ جس طرح یہ فرض آپ نے ادا کیا اسی طرح امت کو بھی ادا کرنا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روز قیامت یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے اپنی قوم تک دین کی دعوت مکمل طور پر پہنچائی تھی اور کسی کے لیے کوئی حجت نہیں چھوڑی تھی۔ علامہ ابن عاشور اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول تم پر گواہ ہونگے، اور دنیوی شہادت ان کی ذات کی گواہی ہے اپنے معاصرین پر، اور ان کی شریعت کی گواہی ان کے بعد آنے والوں پر ہوگی کہ آیا انہوں نے اس کی پیروی کی یا اس سے منہ موڑا۔ اور اخروی گواہی وہ ہے جو حدیث میں ذکر کی گئی (جب امت پچھلے انبیاء کی گواہی دے گی تو رسول اس امت پر گواہی دیں گے)۔ اور جیسا کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ حوض پر آپ سے ملنا چاہیں گے لیکن ان کو روک دیا جائے گا، تو آپ کہیں گے یا اللہ یہ میرے امتی ہیں، تو کہا جائے گا آپ کو نہیں پتا انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ تو آپ فرمائیں گے: "سحقا سحقا لمن بدل بعدي."[56] دوری ہو ان کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں کر دی تھیں۔[57] خلاصہ یہ کہ تمھیں امت وسط اس لیے بنایا گیا کہ تم لوگوں کے مقابلے میں، انسانیت کے مقابلے میں حق کے اور اللہ کے دین کے گواہ بنو۔ اور پیغمبر تمھارے بارے میں گواہ بنیں۔ یعنی جو ذمہ داری، جو کردار، اور رویہ پیغمبر کا تمھارے بارے میں ہے، وہی رویہ اور کردار پوری انسانیت کے بارے میں تمھارا ہونا چاہئیے۔[58] وسط سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ امت سیدھے اور درمیانے راستے پر توازن اور اعتدال کے ساتھ گامزن ہے جو فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے۔ یہ اعتدال اور توازن دین اور دنیا کے درمیان بھی ہے اور دین کے احکام میں بھی ہے۔ دین اسلام کے احکام اعتدال اور مکمل توازن پر مبنی ہیں اور جسم وروح کے تمام تقاضے پورے کرتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان نا تو یہودیوں کی طرح باطنی تربیت کو چھوڑ کر صرف ظاہری اعمال پر زور دیتے ہیں اور نہ نصاری کی طرح ظاہری اعمال کی پرواہ کیے بغیر صرف روحانیات پر زور دیتے ہیں۔ امام رازی کہتے ہیں: "وسطا سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ لوگ دین میں متوسط اور میانہ رو ہیں افراط وغلو اور تقصیر کے درمیان، کیونکہ انہوں نے نہ نصاری کی طرح اتنا غلو کیا کہ پیغمبر کو الہ اور بیٹا بنادیا، اور نہ یہودیوں کی طرح تقصیر کی کہ کتابوں میں تحریف کر ڈالی اور انبیاء کو قتل کیا"۔[59] وسطیت توازن اور اعتدال کے بغیر ممکن نہیں ہے، بلکہ اعتدال وتوازن میانہ روی یا توسط کا لازمی تقاضا ہے۔ اس لیے امت وسط کے لیے ضروری ہے کہ عدل پر قائم پیرا رہے، اور ہر معاملے میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرے، اپنی ذات کے ساتھ بھی، اور دوسری اقوام کے ساتھ بھی، نیز عبادات ومعاملات میں بھی توازن اور اعتدال کے ساتھ عمل کرے۔ اس بارے میں بھی بہت سی ہدایات احادیث میں ملتی ہیں، چنانچہ ہر وہ عمل ناپسندیدہ ہے جس میں اپنی ذات کے ساتھ یا کسی بھی دوسرے شخص کے ساتھ عدل وانصاف اور توازن کے تقاضے پورے نہ ہوتے ہوں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے فرمایا:"يا عبد الله ألم أخبر أنك تصوم النهار وتقوم الليل" اے عبد اللہ کیا مجھے اطلاع نہیں ملی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا:"بلى يا رسول الله" کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا:"فلا تفعل، صم وأفطر، وقم ونم. فإن لجسدك عليك حقا، وإن لعينك عليك حقا، وإن لزوجك عليك حقا". پس یہ نہ کرو، بے شک تمھارے بدن کا تمھارے اوپر حق ہے، اور بے شک تمھاری آنکھ کا تمھارے اوپر حق ہے، اور بے شک تمھاری بیوی کا تمھارے اوپر حق ہے"۔[60] اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ امہات المومنین کے پاس آئے اور آپ کی عبادات کے بارے میں دریافت کیا، جب انہوں نے بتایا تو انہوں نے سوچا کہ اللہ کے نبی کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں، ہمیں تو اس سے بھی زیادہ عبادت کرنی چاہئیے، چنانچہ ایک نے کہا میں رات بھر نمازیں پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا میں شادی نہیں کروں گا۔ جب آپ تک اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔[61] لہذا اسلام میں رہبانیت اور ترک دنیا کا کوئی تصور نہیں ہے، بلکہ دین و دنیا کے درمیان مکمل اعتدال اور توازن ہی کا نام اسلام ہے، اور یہی امت وسط کا دین ہے۔

3- **امت واحدہ:** ارشاد گرامی ہے: ﴿إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمۡ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمۡ فَٱعۡبُدُونِ﴾.[62] (یہ لوگ ہیں تمھارے دین کے، سب ایک دین پر، اور میں ہوں تمھارا رب، سو میری بندگی کرو)۔[63] گویا جس طرح ہمارا رب ایک اللہ ہی ہے اسی طرح امت بھی ایک ہے۔ ہر مسلمان اس امت کا فرد ہے اور تمام افراد برابر ہیں، اور امت میں مساوی درجہ رکھتے ہیں، کوئی پیدائشی مسلمان ہو یا آج دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہو، سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ علاقائی، نسلی، جغرافیائی یا اس طرح کا کوئی اور معیار تفاضل نہیں ہے، بلکہ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے، واحد معیار فضیلت تقوی ہے۔ اس کا قطعی اور یقینی فیصلہ محض اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے، کسی کو کسی کے بارے میں رائے ظاہر کرنے کا اور فتوی دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ امت واحدہ کے مساوی ارکان ہونے کا لازمی تقاضا باھمی اتحاد اور اتفاق ہے، لہذا سب مسلمان ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں چاہے ایک دوسرے سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہوں، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی اور ساتھی ہے چاہے وہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتا ہو۔ چنانچہ ایک مسلمان جو پاکستان سے تعلق رکھتا ہے اس کا جو رشتہ اور تعلق افریقا یا یورپ کے مسلمان سے ہے وہ پاکستان میں موجود کسی ہندو یا سکھ سے نہیں ہو سکتا چاہے وہ اس کے اپنے ملک اور اپنے علاقے کا ہی باشندہ کیوں نہ ہو۔ امت واحدہ کے ارکان یا افراد کا باہمی تعلق ویسا ہی ہونا چاہئیے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ وہ ایک جسم کی مانند یا

ایک عمارت کی مانند ھیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے: "مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى".[64] مومنوں کی باہمی مودت ور حمت و ہمدردی و شفقت کی مثال ایک جسم کی مانند ہے کہ جب اس کا ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو پورا جسم اس کو بخار اور شب بیداری کے ذریعے محسوس کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "إن المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا". وشبك أصابعه.[65] بے شک ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔ ان دونوں حدیثوں اور ان جیسی بہت سی دوسری احادیث سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ افراد امت کا باہمی تعلق کیسا ہونا چاہئیے۔ افسوس کہ آج کے دور میں امت واحدہ کا تصور بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہورہا ہے۔ شام، افغانستان یا دیگر ممالک میں مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو پاکستان کے مسلمانوں کو وہ اس طرح محسوس نہیں ہوتی جس طرح پاکستان کے اندر مسلمانوں کو پہنچنے والی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ لھذا عصر حاضر میں ایک امت کے تصور کو پھر سے زندہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ امت واحدہ کے ارکان ایک خاندان کی مانند ہیں جس کے افراد ایک گھر اور ایک مرکز سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح امت مسلمہ کے افراد جس مرکز سے وابستہ ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے جن کے ذریعے یہ امت وجود میں آئی۔ اس تصور کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں: "امت کی اس وحدت کی اساس دو بنیادی عقائد پر ہے: توحید اور رسالت۔ ان دونوں عقائد میں جہاں تک توحید کا تعلق ہے تو سب انبیاء نے اس کی تعلیم دی ہے۔ اس لیے محض توحید کا نظری عقیدہ نہ امت کی یکجہتی کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ وحدت کی بنیاد بن سکتا ہے۔ امت کے وجود کی ضمانت تب پیدا ہوتی ہے جب توحید کے ساتھ رسالت پر بھی ایمان ہو۔ جب تک توحید کے ساتھ ختم نبوت پر ایمان اور عقیدہ رسالت پر یقین اس امت کو حاصل ہے، اس وقت تک اس میں اخوت اور یکجہتی بھی باقی ہے اور قرآنی وحدت بھی قائم ہے۔ اس امت میں مرکزیت اور اساس کی حیثیت ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کو امہات المومنین کی حیثیت حاصل ہے، لہذا کاشانہء نبوت "مرکز ام" ہے اور "ام" مرکز امت ہے۔ اور چونکہ ہر مسلمان ازواج مطہرات کو ام تسلیم کرتا ہے، لہذا وہ نبوت کو مرکز ملت کی اساس ماننے پر مجبور ہے۔ چنانچہ اس خاندان سے دینی اور روحانی وابستگی کی بنیاد پر جو امت وجود میں آئے گی اس میں ایک خاندان ہونے کے تمام اوصاف موجود ہونگے"۔[66] امت واحدہ توحید اور اتحاد کی علمبردار ہے۔ تاہم وحدت اور اتحاد کا مطلب اختلاف رائے کا ناپید ہونا ہرگز نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود افراد امت ایک رہیں، ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار رہیں، اور اختلا

کریں۔ وحدت کے باوجود اختلاف رائے کی ہمیشہ گنجائش رہی ہے اور اس کا احترام کیا گیا ھے، صحابہ کے مابین بھی اختلاف رائے ہوتا تھا اور ہر کسی کا ذوق دوسرے سے مختلف تھا، لیکن وہ اس کے باوجود ایک تھے۔ اور وہی ہمارے لیے نمونہ و مثال ہیں، جن کے طریقے پر عمل کر کے ہی ہم باہمی تعاون اور اتحاد کی فضا بھی قائم رکھ سکتے ہیں اور فلاح دارین کے حقدار بھی ہو سکتے ہیں۔

4- خیر أمة- بہترین امت: اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾.[67] (تم ہو بہتر سب امتوں سے، جو پیدا ہوئے ہیں لوگوں میں، حکم کرتے ہو پسندیدہ بات کا، اور منع کرتے ہو ناپسند سے، اور ایمان لاتے ہو اللہ پر)۔[68] آیت مبارکہ کی رو سے امت مسلمہ ہر لحاظ سے ایک بہترین امت ہے، دینی اعتبار سے بھی اور دنیاوی اعتبار سے بھی، کیونکہ اس امت کے تمام معاملات عدل وانصاف اور توازن پر قائم ہیں۔ یہ مضمون احادیث مبارکہ میں بھی بیان ہوا ہے۔ عن أبي هريرة: كنتم خير أمة أخرجت للناس، قال: "خير الناس للناس، تأتون بهم في السلاسل في اعناقهم حتى يدخلوا في الإسلام".[69] سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: انسانوں کے لیے بہترین لوگ، ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر لاتے ہو تاکہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے: "أنتم تتمون سبعين أمة أنتم خيرها وأكرمها على الله".[70] یعنی تم ستر امتوں کو پورا کرتے ہو، اور تم ان تمام امتوں میں بہترین اور اللہ کے نزدیک معزز ترین ہو۔ گویا یہ امت بہترین اس لیے ہے کیونکہ یہی امت سب سے زیادہ لوگوں کو فائدہ اور نفع پہنچانے کی سعی میں لگی رہتی ہے۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں: "لوگوں کے لیے بہترین امت، یعنی کہ یہ امت لوگوں کو خیر و بھلائی پہنچانے کے لحاظ سے بہترین ہے، اسی لیے ارشاد ہوا کہ نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"، نیز وہ کہتے ہیں: "اور یہ امت بہترین اپنے نبی کی وجہ سے کہلائی گئی، جو اللہ تعالی کے سب سے محبوب اور معزز بندے اور رسول ہیں، اور اللہ تعالی نے ان کو اس کامل دین اور مکمل شریعت کے ساتھ بھیجا جس کے ساتھ ان سے پہلے کسی نبی اور رسول کو نہیں بھیجا گیا"۔[71] یہ امت وہ بہترین امت ہے جو لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے نکالی گئی ہے۔ "یہاں "اخرج" کا لفظ بڑا اہم ہے، یہ امت نکالی گئی ہے، جس طرح سے کسی شخص کو کسی ذمہ داری کے لیے بھیجا جاتا ہے تو وہ اپنے گھر سے یا موجودہ مقام عمل سے نکال کر دوسری جگہ روانہ کر دیا جاتا ہے۔ وہی کیفیت یا تشبیہ اس امت کی بھی ہے کہ اس کو پوری انسانیت کے فائدے کے لیے ایک مہم پر نکالا گیا ہے۔ لہذا پوری امت اس مہم پر نکلی ہوئی ہے"۔[72] آیت مبارکہ کی رو سے بہترین ہونے کا سبب اور لازمی تقاضا یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیا جائے، برائی سے روکا جائے اور اللہ پر ایمان لایا جائے۔ اگر امت مسلمہ یہ فرائض انجام نہیں دے گی تو بہترین امت کے خطاب کی حقدار نہیں ہو گی۔ یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایمان پر مقد

لہٰذا یہ امت ایمان کی وجہ سے بہترین امت نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے بہترین ہے۔[73] کچھ اور مفسرین کا خیال ہے کہ ایمان مقدم ہونا چاہئیے لیکن موخر اس لیے ہے کیونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ امت محمدیہ کے افراد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ اللہ پر ایمان اور یقین کی وجہ سے اور اس کے دین کو عام کرنے کی غرض سے ہی انجام دیتے ہیں۔[74] خلاصہ یہ ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت بنایا، اور تمام انسانوں کے نفع اور لوگوں کی خدمت کے لیے نکالا تاکہ اس کے ذریعے ساری دنیا کو دین حق کی دعوت دی جاسکے، چنانچہ اس امت کے فرائض میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، اپنے اخلاق کردار اور اقوال و افعال سے انسانیت کو اللہ کے اور اس کے رسول کے دین کی طرف بلانا اور تمام انسانیت تک آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچانا شامل ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی اس جماعت پر جو کہ بہترین امت ہونے کے اعزاز سے نوازی گئی ہے لازم ہے کہ دنیا کو دکھائے کہ مسلمان ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا اصل معنی کیا ہے، اور نبی کی امت جو کہ بہترین امت ہے اس کو یہ درجہ کیونکر اور کس بنیاد پر دیا گیا۔ امت محمدیہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اس اعزاز کا اہل ثابت کرے۔

❖ **<u>ان خصائص کی روشنی میں امت کی ذمہ داریاں:</u>** مسلمان امت کو جیسا کہ ذکر کیا گیا بہت سے القاب و اعزازات سے نوازا گیا، چنانچہ یہ امت بہترین بھی ہے امت وسط بھی ہے اور تمام امتوں پر گواہ بھی ہے۔ لیکن یہ اعزازات بلاوجہ بغیر کسی ذمہ داری اور محنت کے نہیں دیے گئے۔ بلکہ جتنا بڑا اعزاز اور منصب دیا گیا اتنی بڑی ذمہ داریاں بھی امت مسلمہ کے اوپر عائد کی گئی ہیں۔ یہ مناصب و اعزازات کچھ فرائض و واجبات کا تقاضا کرتے ہیں جن کو پورا کرنا اس امت کے لیے ضروری ہے۔ اگر یہ فرائض پورے کرنے میں یہ امت ناکام ہوتی ہے تو پھر یہ ان القاب کی مستحق نہ رہے گی۔ یوں تو امت کے ذمے بہت سے واجبات عائد ہیں، لیکن کچھ واجبات وہ ہیں جو ان خصائص اور متعلقہ آیات سے خصوصی طور پر واضح ہوتے ہیں۔ وہ واجبات اور فرائض یہ ہیں:

1. **<u>ایمان باللہ:</u>** "وتؤمنون بالله". اللہ پر ایمان راسخ اور یقین محکم اس امت کی پہلی ذمہ داری ہے۔ اور صرف اللہ پر ہی ایمان ضروری نہیں ہے بلکہ سارے ارکان ایمان پر ایمان اس میں شامل ہے، کیونکہ بقیہ ارکان ایمان باللہ کا منطقی نتیجہ ہیں۔ مومن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات کی مانند ہے جو خود تو نظر نہیں آتی لیکن اس کے آثار پورے عالم میں چہار سو پھیلے ہوئے ہیں۔ بالکل اسی طرح ایمان ہے کہ یوں تو وہ قلب میں چھپی ایک کیفیت کا نام ہے لیکن اس کیفیت کے آثار اچھے اخلاق اور اعمال کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی جانب بہت سی احادیث میں اشارے کیے گئے ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے:"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت".[75] کہ جو شخص اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے

سے اپنے مہمان کی عزت کرے، جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے، جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اچھی بات زبان سے نکالے ورنہ چپ رہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے: "لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه."[76] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہو گا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے جو اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی احادیث میں ایمان کو اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے، اور ایمان کے لازمی تقاضوں اور اچھے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ لہذا اللہ پر ایمان رکھنے والی امت کے لیے لازمی ہے کہ وہ ان ساری ہدایات پر عمل کرے اور اپنے ایمان کے اثرات اچھے اعمال و اخلاق کی صورت میں ظاہر کرنے کی کوشش کرتی رہے۔

2. **اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرنا:** امت مسلمہ ہونے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ امت کے تمام افراد اللہ کے حضور سر تسلیم خم کریں اور اپنا آپ مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دیں۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: ﴿إِذْ قَالَ لَهُۥ رَبُّهُۥٓ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ﴾.[77] (جب اس کو کہا اس کے رب نے حکمبردار ہو، بولا میں حکم میں آیا جہاں کے صاحب کے)۔[78] بغیر کسی تردد و تامل کے بغیر کسی فکر کے اپنا آپ سپرد کر دیا، پھر اس کے بعد بغیر کسی حیل و حجت کے اللہ کے ہر حکم پر سر جھکاتے چلے گئے، چاہے وہ اولاد کو ذبح کرنے کا حکم ہو یا گھر والوں کو تنہا ایک سنسان ویران وادی میں چھوڑنے کا حکم ہو۔ بالکل اسی طرح امت مسلمہ کے لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر سر جھکائے چاہے حکمت و مصلحت سمجھ آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ جب اپنا آپ اللہ کے سپرد کر دیا تو پھر کسی تمرد و عصیان کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ سر تسلیم خم کرنے کا لازمی تقاضا اللہ کی اطاعت، اس کے رسول کی اطاعت و اتباع اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ امت مسلمہ کا دین اسلام ہے اور وہ ملت ابراہیمی ہے، ابراہیم علیہ السلام اس امت کے روحانی باپ ہیں لہذا ان کی زندگی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥ﴾۔[79] (تم کو چال چلنی ہے اچھی، ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے)۔[80] اس لیے ان کی زندگی میں اور ان کی سنت میں بھی مسلمانوں کے لیے رہنمائی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم ہونے کے لیے شعائر اسلام اور ارکان اسلام کا قیام بھی لازمی ہے۔ ﴿فَأَقِيمُوا ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا ٱلزَّكَوٰةَ وَٱعْتَصِمُوا بِٱللَّهِ﴾۔[81] (سو کھڑی رکھو نماز، اور دیتے رہو زکوۃ، اور اللہ کو مضبوط پکڑو)۔[82] اور ایک حدیث کے مطابق اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ شہادت، نماز، روزہ، زکاۃ، اور حج۔ ان ارکان اور شعائر کے قیام کے بغیر یہ امت صحیح معنوں میں امت مسلمہ نہیں بن سکتی۔

3. **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی:** محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت لوگوں پر گواہ ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس امت پر گواہ تھے، لہذا اس امت کا انسانیت سے وہی رشتہ ہے جو اس کے رسول کا اس امت سے ہے۔ چنانچہ امت پر وہ تمام ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد تھے اور انہوں نے احسن طریقے سے ان کو انجام دیا۔ یہ ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت پر واضح الفاظ میں عائد فرمائی۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد اس امت سے تین مرتبہ تصدیق کروائی کہ انہوں نے دعوت و تبلیغ امت تک مکمل طور پر پہنچادی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: "فليبلغ الشاهد الغائب"۔[83] پس جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچادے۔ اس طرح دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا یہ نبوی فریضہ امت پر نسل در نسل عائد کر دیا گیا۔ کیونکہ رسول اللہ کا حکم ہے کہ جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچادے لہذا جس تک یہ پیغام پہنچتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو آگے جن تک نہیں پہنچا ان تک پہنچائے۔ اس فریضے کو ادا کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنا بھی ضروری ہے، چنانچہ نرمی سے، احسن اخلاق سے، رحمت و شفقت سے، انسانوں سے ہمدردی اور ان کو آگ سے بچانے کے جذبے سے اللہ کا یہ دین اور اس کے نبی کا پیغام انسانیت تک پہنچانا ہے۔ امت کو چاہئیے کہ آپ کا جانشین ہونے کے ناطے انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسی امت بنے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کا عکس ہو، دوسروں کے دل میں نبی کی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بنے نا کہ غیروں کو نبی سے، ان کی تعلیمات سے اور ان کے دین سے متنفر کرنے کا ذریعہ بنے۔ ایسی امت بنے جس کی طرف دوسری اقوام و امم کھنچی چلی آئیں، اور اس امت کے قائد کی تعلیمات کو جاننے کی تگ و دو کریں، اور یہ سوچیں کہ امت ایسی ہے تو اس کا نبی کیسا ہو گا!!!

4. **اخوت:** امت واحدہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام افراد و ارکان برابر اور آپس میں بھائی بھائی ہوں۔ سب کا درجہ مساوی ہو اور کسی کو دوسرے پر کوئی مادی یا دنیوی لحاظ سے برتری حاصل نہ ہو۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾۔[84] (مسلمان جو ہیں، سو بھائی ہیں)۔[85] اور حدیث شریف میں آتا ہے: "المؤمن أخو المؤمن."[86] مومن مومن کا بھائی ہے۔ اور بھائی آپس میں مساوی درجہ رکھتے ہیں، کوئی دوسرے سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ بھائی بھائی بنانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپس میں محبت اور ہمدردی کی اور باہمی الفت و تعاون کی فضا قائم رہے۔ اس کے نتیجہ میں سب ایک دوسرے کے ساتھی ہونگے، ایک دوسرے کے لیے نصیحت و خیر خواہی کا جذبہ بھی رکھیں گے، اور ایک دوسرے کو غلط اور برے کاموں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش بھی کریں گے۔ جس طرح ایک بھائی اپنے بھائی کو برائی سے بچاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بہترین ہو اسی طرح ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لیے یہی جذبہ اپنے اندر رکھنا چاہئیے۔

5. **عدل و انصاف کا قیام:** اس کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کا قیام بھی بے حد ضروری ہے، اور یہ عدل و انصاف حکمرانوں اور عدالتوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر فرد کے اوپر انفرادی سطح پر بھی لازم ہے۔ ہر کسی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ بھی اور دوسروں کے ساتھ معاملات میں بھی عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرے۔ امت واحدہ کے ہر فرد کو چاہئیے کہ وہ اپنے فرائض و واجبات کی ادائیگی پر توجہ دے، اس طرح سب کے حقوق محبت اور آسانی سے ادا ہو سکیں گے۔ لیکن اگر ہر کوئی اپنے حقوق مانگنے کے لیے ڈنڈا اٹھا کر کھڑا ہو جائے اور کسی کو اپنے فرائض ادا کرنے سے دلچسپی نہ ہو تو معاشرے میں بگاڑ اور لڑائی جھگڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا، اور کسی کو بھی اس کا حق نہیں ملے گا۔ اس سب کے نتیجے میں امت واحدہ کا جو معاشرہ قرآن وجود میں لانا چاہتا ہے وہ نہیں آسکے گا۔

6. **امر بالمعروف و نہی عن المنکر:** امت مسلمہ کو بہترین امت اس لیے بنایا گیا کیونکہ اس کے واجبات میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا شامل ہے۔ اور یہی وہ مہم ہے جس کے لیے یہ امت نکالی گئی ہے اور یہی وہ کام ہے جس میں انسانیت کے لیے خیر و بھلائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ﴾.[87](اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، سکھاتے ہیں نیک بات، اور منع کرتے ہیں بری سے)۔[88] اسی طرح ایک حدیث میں برائی سے روکنے کا ہر فرد کو حکم دیا گیا: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".[89] (تم میں جو کوئی بھی منکر کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھوں سے روکے، اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان کے ذریعے روکے، اور اگر یہ بھی بس میں نہ ہو تو دل میں اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔ گویا ایمان ہی وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہ کام امت کے سب افراد پر لازم ہے، لیکن اس کے لیے حکمت اور اچھے طریقے سے اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے تاکہ اس فریضے کی ادائیگی کا انجام کار خیر و بھلائی کی صورت میں نکلے نا کہ مزید بگاڑ اور فساد کی صورت میں۔ جو طریقہ بھی بہتر اور موثر ہو اسی کو اختیار کیا جانا چاہئیے، تاکہ لوگوں کے دلوں پر اثر ہو سکے۔ جو شخص بھی یہ کام اخلاص اور نیک نیتی سے کرتا ہے، محبت اور شفقت سے اصلاح اور ہمدردی کے جذبے سے یہ فریضہ انجام دیتا ہے اس کی بات میں اور اس کے کام میں اثر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ برکت بھی ڈالتا ہے۔ لیکن سختی سے، لوگوں کو کمتر سمجھ، ان کو یہ احساس دلا کر کہ وہ اللہ کے نزدیک مبغوض و کمتر ہیں جو نصیحت بھی کی جائے گی اس سے بات نہیں بنے گی، بلکہ یہ کام انسانوں کو اللہ کے احکام اور اس کے دین سے دور کرنے کا ہی ذریعہ بنے گا۔ اپنا بھائی اور محبوب سمجھ کر محبت اور نرمی سے بات کی جائے گی تو اثر بھی ہو گا، محبت و بھائی چارہ بھی پیدا ہو گا، اور ان شاء اللہ ثواب بھی ملے گا۔ اس بات کا خاص دھیان رکھنا ہے کہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی جانب بلانے کا ذریعہ بننا ہے، دور بھگانے اور متنفر کرنے کا ذریعہ نہیں بننا۔ اس مقصد کے لیے

طریقہ وہی بہترین ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ﴾.[90](سو کچھ اللہ کی مہربانی ہے، جو تم نرم دل ملے ان کو، اور تم ہوتے سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تمھارے گرد سے۔ سو تم ان کو معاف کرو، اور ان کے واسطے بخشش مانگو، اور ان سے مشاورت لو کام میں)۔[91] اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے نبی کے طریقے کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ذمہ داریاں امت کے کاندھوں پر ہیں، اور ہر فرد پر انفرادی اور اجتماعی طور پر لازم ہیں۔ "جب ہم میں سے ہر شخص یہ سمجھنے لگے گا کہ میرے اور میرے ملک کے اور میری امت کے معاملات تب بہتر ہونگے جب میں معاملات کو بہتر کرنا چاہوں گا۔ اور ہر فرد اس کے لیے جب شعوری کوشش کرے گا اور ہر ایک صیغہ واحد متکلم میں بات کرے گا تو پھر بات آگے بڑھے گی"۔[92]

اگر امت مصطفی ﷺ ان سب ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے اور اپنے مسائل کامیابی کے ساتھ حل کرتی ہے تو ایک روشن اور تابناک مستقبل اس کا منتظر ہے۔ پھر اس کو دنیا کی امامت سے کوئی نہیں روک سکے گا ان شاء اللہ۔ بقول علامہ اقبال:

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا　　　لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا۔[93]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أنا حظكم من الأنبياء وأنتم حظي من الأمم".[94] یعنی میں انبیاء میں سے تمھارے نصیب میں آیا ہوں اور تم امتوں میں سے میرے نصیب میں آئی ہو۔ تو جس طرح یہ بات ہمارے لیے باعث فخر و شرف و سعادت ہے کہ ہم نبی آخر الزماں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، اسی طرح ہمیں یہ کوشش بھی جاری رکھنی ہے کہ وہ امت بنیں جو روز محشر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث فخر و سرور ہو نا کہ وہ امت بنیں کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت منہ موڑ لیں اور کہیں "سحقا لمن بدل بعدي"۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں وہ امت بننے کی توفیق عطا فرمائے جیسی امت ہمارے نبی اور سردار ہمیں دیکھنا چاہتے تھے، روز قیامت ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمالے، اور جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا ساتھ عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مصادر و حوالہ جات

1- قرآن مجید۔
2- امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل، محمود احمد غازی، طبع اول، ریجنل دعوہ سینٹر، کراچی، پاکستان، 2012۔
3- انوار التنزیل واسرار التاویل، ناصر الدین بیضاوی، تحقیق: محمد عبد الرحمن المرعشلی، طبع اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1418۔
4- البحر المحیط، ابو حیان، تحقیق: صدقی محمد جمیل، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1420۔

5- التحریر والتنویر، محمد طاہر ابن عاشور، الدار التونسیہ، تونس، 1984۔

6- تفسیر ابن کثیر، تحقیق: محمد حسین شمس الدین، طبع اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1419۔

7- التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)، فخر الدین رازی، طبع ثالث، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1420۔

8- الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل البخاری، طبع دوم، دار السلام، ریاض، سعودی عرب، 1419-1999۔

9- الجامع الصحیح، مسلم بن الحجاج القشیری، طبع اول، دار السلام، ریاض، سعودی عرب، 1419-1998۔

10- خطبات بہاولپور (اسلام کا قانون بین الممالک)، ڈاکٹر محمود احمد غازی، طبع اول، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان، 1997۔

11- سنن الترمذی، ابو عیسی الترمذی، طبع اول، دار السلام، الریاض، سعودی عرب، 1420-1999۔

12- الصحاح، ابو نصر جوہری، تحقیق: احمد عبد الغفور عطار، طبع رابع، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، 1407-1987۔

13- عصر حاضر اور شریعت اسلامی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، طبع اول، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، پاکستان، 2009۔

14- لسان العرب، محمد بن مکرم ابن منظور، طبع ثالث، دار صادر، بیروت، لبنان، 1414۔

15- محاضرات شریعت، محمود احمد غازی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، پاکستان، 2016۔

16- المحرر الوجیز، ابن عطیہ، تحقیق: عبد السلام محمد، طبع اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1422۔

17- المحکم والمحیط الاعظم، ابن سیدہ، تحقیق: عبد الحمید ہنداوی، طبع اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1421-2000۔

18- مفاتیح للتعامل مع القرآن، صلاح الخالدی، طبع ثالث، دار القلم، دمشق، 1424ھ، 2003۔

19- المفردات فی غریب القرآن، علامہ راغب اصفہانی، تحقیق: صفوان عدنان الداودی، طبع اول، دار القلم، دمشق، 1412۔

20- الموسوعہ القرآنیہ المتخصصہ، مجموعہ اساتذہ وعلماء، مجلس اعلی للشؤون الإسلامیۃ، مصر، 1423-2002۔

21- موضح قرآن مع فوائد، شاہ عبد القادر محدث دہلوی، تصحیح وتشریح: مولانا اخلاق حسین قاسمی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان۔

---

[1] القرآن، 2: 185۔

[2] شاہ عبد القادر محدث دہلوی، موضح القرآن، 35۔

[3] القرآن، 17: 9۔

[4] شاہ عبد القادر، موضح القرآن، شاہ عبد القادر، 366۔

[5] القرآن، 18: 1 – 2۔

[6] شاہ عبد القادر محدث دہلوی، موضح القرآن، 380۔

[7] صلاح الخالدی، مفاتیح للتعامل مع القرآن، (دمشق: دار القلم، 1424) ص 77 – 81. مجموعہ اساتذہ و علماء، الموسوعہ القرآنیہ المتخصصہ، (مصر: مجلس اعلی للشؤون الإسلامیۃ، 1423) ص 242۔

[8] القرآن، 57 : 25۔

[9] شاہ عبد القادر محدث دہلوی، موضح القرآن، 701۔

[10] محمود احمد غازی، محاضرات شریعت، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2016)، ص 99۔

[11] نابغہ ذبیانی زیاد بن معاویہ، مشہور عرب جاہلی شاعر، اور معلقات عشرہ میں ایک قصیدے کا مؤلف۔ سنہ 604 عیسویں میں وفات پائی۔

خیر الدین زرکلی، الأعلام، (بیروت: دار العلم للملایین، 2002)، 3: 54.

[12] ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَٱدَّكَرَ بَعۡدَ أُمَّةٍ﴾۔ (اور یاد کیا مدت کے بعد) (12: 45)

[13] ابو نصر جوہری، الصحاح، تحقیق: احمد عبد الغفور عطار، (بیروت: دار العلم للملایین، 1407) 5: 1863 – 1864۔ ابن سیدہ، المحکم والمحیط الأعظم، تحقیق: عبد الحمید ہنداوی، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1421)، 10: 571 – 572۔ ابن منظور: لسان العرب، (بیروت: دار صادر، بیروت، 1414)، 12: 22-24۔

[14] القرآن، 2: 134۔

[15] عبد القادر، موضح القرآن، 26۔

[16] القرآن، 3: 104۔

[17] عبد القادر، موضح القرآن، 81۔

[18] القرآن، 3: 113۔

[19] عبد القادر، موضح القرآن، 82۔

[20] القرآن، 43: 23۔

[21] عبد القادر، موضح القران، 636۔

[22] ابو حیان، البحر المحیط، تحقیق: صدقی محمد جمیل، (بیروت: دار الفکر، 1420)، 9: 366۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق: صفوان عدنان الداودی، (دمشق: دار القلم، 1412)، 86۔

[23] القرآن، 12: 45۔

[24] عبد القادر، موضح القرآن، 311۔

[25] ابن عاشور، التحریر والتنویر، (تونس: الدار التونسیہ، 1984)، 12: 283۔

[26] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، 86

[27] القرآن، 11: 8۔

[28] عبد القادر، موضح القرآن، ص287۔

[29] القرآن، 16: 120۔

[30] عبد القادر، موضح القرآن، ص363۔

[31] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: محمد حسین شمس الدین، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1419)، 4: 524۔

[32] ابن عاشور، التحریر والتنویر، 14: 315 – 316۔

[33] راغب اصفہانی، المفردات، 86۔

[34] محمود احمد غازی، عصر حاضر اور شریعت اسلامی، (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، 2009)، 85۔

[35] جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾۔ (القرآن، 49: 13)۔ (اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں)۔ چناچہ قومیت اور مختلف قبائل کو اللہ تعالیٰ نے باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان امور کو وجہ اختلاف بنانا درست نہیں۔

[36] محمود احمد غازی، امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل، (کراچی: ریجنل دعوہ سنٹر، 2012)، 11۔

[37] غازی، امت مسلمہ کے مسائل، 15۔

[38] غازی، محاضرات شریعت، 109۔

[39] القرآن، 2: 128.

[40] عبد القادر، موضح القرآن، ص24۔

[41] ابن منظور، لسان العرب، ابن منظور، 12: 289 – 293۔

[42] القرآن، 2: 131۔

[43] عبد القادر، موضح القرآن، 25۔

[44] القرآن، 22: 78۔

[45] عبد القادر، موضح القرآن، ص442۔

[46] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 10۔

[47] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الإکراه، باب يمين الرجل لصاحبه إنه أخوه إذا خاف عليه القتل أو نحوه، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 6951۔

[48] القرآن، 2: 143۔

[49] عبد القادر، موضح القرآن، 27۔

[50] الجوہری، الصحاح، 3: 1167۔ ابن سیدہ، المحکم والمحیط الأعظم، 8: 594 – 596۔ ابن منظور، لسان العرب، 7: 427 – 428۔

[51] محمد بن عیسی الترمذي، الجامع المختصر من السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الثناء الحسن على الميت، (ریاض: دار السلام، 1420) حدیث: 1058۔

[52] محمد بن إسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب ثناء الناس على الميت، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 1367۔

[53] ابن عاشور، التحریر والتنویر، 2: 21۔

[54] ابن عطیہ، المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز، تحقیق: عبد السلام محمد، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1422)، 1: 219۔ ابن عاشور، التحریر والتنویر، 2: 20۔

[55] محمد بن اسماعیل البخاري، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله وكذلك جعلناكم امة وسطا، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 4487۔

[56] محمد بن إسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب ما جاء في قوله تعالى "واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا"، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 7050۔

[57] ابن عاشور، التحریر والتنویر، 2: 21۔

[58] غازی، محاضرات شریعت، 113۔

[59] فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420)، 4: 85۔

[60] **محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح**، کتاب النکاح، باب لزوجک علیک حق، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 5199۔

[61] **محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح**، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 5063۔

[62] القرآن، 21: 92۔

[63] عبد القادر، موضح القرآن، 427۔

[64] **مسلم بن الحجاج القشیري، صحیح مسلم**، کتاب البر والصلة والأدب، باب تراحم المومنین وتعاطفهم وتعاضدهم، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 6586۔

[65] **محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح**، کتاب الصلاة، باب تشبیك الأصابع في المسجد وغیره، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث:481 ۔

[66] محمود احمد غازی، خطبات بہاولپور (اسلام کا قانون بین الممالک)، (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، 1997، 193 – 194۔

[67] القرآن، 3: 110۔

[68] عبد القادر، موضح القرآن، 81 – 82۔

[69] **محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب کنتم خیر أمة، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 4557۔

[70] **محمد بن عیسی الترمذی، الجامع المختصر من السنن**، کتاب التفسیر، باب ومن سوره آل عمران، (ریاض: دار السلام، 1420)، حدیث:3001۔

[71] ابن کثیر، تفسیر، 2: 80 – 81۔

[72] غازی، محاضرات شریعت، 113۔

[73] ابو حیان، البحر المحیط، 3: 302۔

[74] ناصر الدین بیضاوی، **أنوار التنزیل وأسرار التأویل**، تحقیق: محمد عبد الرحمن المرعشلی، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1418)، 2: 33۔

[75] محمد بن إسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب اکرام الضیف وخدمته ایاه بنفسه، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 6138۔

[76] محمد بن إسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، (ریاض: دار السلام، 1419)، حدیث: 13۔

[77] القرآن، 2: 131۔

[78] عبد القادر، موضح القرآن، 25۔

[79] القرآن، 60: 4۔

[80] عبد القادر، موضح القرآن، 713۔

[81] القرآن، 22: 78۔

[82] عبد القادر، موضح القرآن، 442۔

[83] **محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح**، کتاب الفتن، باب قول النبي لا ترجعوا بعدی کفارا، (ریاض: دار السلام، 1419) حدیث: 7078۔

[84] القرآن، 49: 10۔

[85] شاہ عبد القادر، موضح القرآن، 669۔

[86] **مسلم بن الحجاج القشیري، صحیح مسلم**، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبه علی خطبة أخیه، (ریاض: دار السلام، 1419) حدیث: 1414۔

[87] القرآن، 9: 71۔

[88] شاہ عبد القادر، موضح القرآن، 655 – 656۔

[89] مسلم بن الحجاج القشيري، **صحيح مسلم**، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان، (ریاض: دار السلام، 1419) حدیث: 177 ۔

[90] القرآن، 3: 159۔

[91] شاہ عبد القادر، موضح القرآن، 90۔

[92] غازی، خطبات بہاولپور، 474۔

[93] علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی)، 300۔

[94] محمد ابن حبان، **صحيح ابن حبان**، تحقیق: شعیب الارنؤوط، 16 : 197، (بیروت: مؤسسہ رسالہ، 1414) حدیث: 7214۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License